R. No. 2186/57 Regd. No. L. 922.

انجمن ترقی اردو ہند کا ہفتہ وار اخبار

# ہماری زبان

ٹیلی فون ۲۰

قیمت تین روپے سالانہ

فی پرچہ دس نئے پیسے

تاریخ اشاعت

۱-۵-۶۶

جلد ۲۵ - شمارہ ۱۷ | ایڈیٹر: آل احمد سرور | یکم مئی ۱۹۶۶ء

اداریہ

## انجمن اور عوام

انجمن نے عوام سے اپنا رشتہ اور مضبوط کرنے کے لیے ۲۴ اپریل کی مجلس عام کے جلسے میں چند اہم تبدیلیاں کی ہیں۔ اب تک انجمن کی مجلس عام کے سارے ممبر لایف ممبر ہوتے تھے۔ علمی اداروں میں لایف ممبری کا رواج خاصا پرانا ہے۔ انجمن چونکہ بنیادی طور پر ایک علمی ادارہ ہے اس لیے اس کے دستور میں بھی لایف ممبری کی گنجائش رکھی گئی ہے مگر سنجیدہ حلقوں میں یہ خیال بھی تھا کہ موجودہ حالات میں اس قاعدے میں ترمیم ضروری ہو گئی ہے۔ اس لیے اب یہ طے کیا گیا ہے کہ موجودہ لایف ممبر تو رہیں گے مگر ان کی تعداد ۲۵ سے زیادہ نہ ہوگی۔ ہاں لایف ممبروں میں سے اگر کسی کی جگہ خالی ہوگی تو آئندہ وہ پانچ سال کے لیے پر ہوگی۔ پانچ ممبر صدر نامزد کریں گے۔ دو حکومت کے نمائندے ہوں گے۔ اس کے علاوہ ہر ریاستی شاخ کا ایک نمائندہ ہوگا جو ریاستی شاخ کی کونسل چنے گی۔ یہ نمائندہ تین سال کے لیے مرکزی انجمن کی مجلس عام کا ممبر ہوگا۔ اس طرح مرکزی انجمن کے تقریباً ایک تہائی ممبر ریاستی شاخوں کے نمائندے ہوں گے۔

انجمن کی شاخوں کے لیے جو قواعد بنائے گئے ہیں ان میں بنیادی تبدیلی یہ ہے کہ اب انجمن کی شاخیں تین طرح کی ہوں گی مقامی، ضلعی اور ریاستی۔ مقامی شاخ کسی گاؤں، قصبے یا شہر میں قائم کی جا سکتی ہے۔ اس کی فیس ممبری صرف پچیس پیسے سالانہ ہوگی۔ ضلعی شاخ ہر ضلع میں مقامی شاخوں کے نمائندوں پر مشتمل ہوگی۔ اگر کسی ضلع میں مقامی شاخیں نہ ہوں تو پورے ضلع کی ایک شاخ بھی قائم کی جا سکتی ہے۔ مقصد یہ ہے کہ مقامی شاخیں زیادہ قائم کی جائیں اور زیادہ سے زیادہ لوگوں کی ہمدردی حاصل کی جائے۔ لیکن اگر مقامی حالات کی وجہ سے مقامی شاخیں نہ بن سکیں تو ضلعی شاخوں سے کام چل سکے۔ ہر ریاست میں جہاں کم سے کم پانچ ضلعی شاخیں موجود ہوں گی، ریاستی شاخ قائم کی جا سکے گی۔ ہر مقامی شاخ ضلعی شاخ کی رکنیت کے لیے بیس ممبروں پر ایک نمائندہ بھیجے گی ہر ضلعی شاخ اپنے دس ممبروں پر ایک نمائندہ ریاستی شاخ کے لیے بھیجے گی۔ گویا دو سو ممبروں کا ایک نمائندہ ریاستی شاخ میں پہنچ سکے گا اور اس طرح ہر ریاست کی سہولت کے مطابق ممبران کی تعداد بھی معقول ہو سکے گی۔ ضلعی شاخ کی رکنیت کا چندہ ایک روپے سالانہ، ریاستی شاخ کی رکنیت کا چندہ تین روپے سالانہ اور مرکزی انجمن کی مجلس عام کی رکنیت کا چندہ پانچ روپے سالانہ رکھا گیا ہے۔

انجمن ایک طرف اپنے علمی و ادبی رول کو برقرار رکھنا چاہتی ہے دوسری طرف اپنی شاخوں کی نئی تنظیم کے ذریعہ سے عوام سے اپنا رشتہ اور مضبوط کرنا چاہتی ہے، تاکہ اردو زبان کے حقوق کی قومی پس منظر میں اور جمہوری روایات کے مطابق نگہداشت کی جا سکے۔ ہمیں یقین ہے کہ اس نئی تنظیم سے انجمن کے کاموں کی مقبولیت اور افادیت میں اضافہ ہوگا اور وہ اردو اور ہندوستان دونوں کی بہتر خدمت کر سکے گی۔

---

### اس شمارے میں

| | | | |
|---|---|---|---|
| انجمن اور عوام (اداریہ) | ۱ | کچھ ایک مراسلے کے سلسلے میں | ۸ |
| مزاح نگاروں کی کل ہند کانفرنس | ۲ | بہار ریاستی انجمن ترقی اردو کا ایک اہم جلسہ | ۹ |
| حرمت الاکرام کی ایک طویل نظم بہت جلد شائع ہونے والی ہے | ۲ | اردو میں اعلیٰ تعلیم کے لیے یونیورسٹی قائم کی جائے | ۹ |
| ہندی اور سنسکرت کی ترقی | ۲ | غالب شناسی کے افتتاح پر ادیبوں کا جلسہ | ۹ |
| جدید ہندوستانی زبانوں کی ترقی کیلئے ادارہ | | مرکزی انجمن کے جلسے | ۱۰ |
| ادارۂ ادبیات اردو کی کتاب "ساتول اور دوسرے ڈرامے" | ۲ | شاخ اورنگ آباد کی نئی مجلس عاملہ کا انتخاب | ۱۰ |
| ماہنامہ شبستان کی رسم اجرا | ۲ | انجمن ترقی اردو دہلی اسٹیٹ کے سالانہ جلسے کی کارروائی | ۱۱ |
| بنگلہ زبان کی رامائن اور مہابھارت | ۳ و ۴ | شعبۂ اردو علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کی طرف سے مرکزی انجمن ترقی اردو ہند کے اراکین کا استقبال | ۱۲ |
| سانحۂ عظیم | ۵ | اردو محافظ دستہ اتر پردیش کی علامتی بھوک ہڑتال | ۱۲ |
| آہ محروم | ۵ | | |
| تضمین بر کلام اقبال | ۵ | | |
| ایک نظم | ۵ | | |
| صفحۂ ۱ سے آگے | ۶ | | |
| برجموہن دتاتریہ کیفی کے چار خط | ۷ | | |
| فردوسی کا ایک شعر | ۸ | | |
| طلبا یا طلبہ | ۸ | | |

## مزاح نگاروں کی کل ہند کانفرنس

حیدرآباد میں ۱۴ اور ۱۵ مئی کو زندہ دلان حیدرآباد کے زیر اہتمام مزاح نگاروں کی کل ہند کانفرنس منعقد ہو رہی ہے۔ کانفرنس کا افتتاح مشہور افسانہ نویس و مزاح نگار کرشن چندر کریں گے۔ اس کانفرنس کے لیے جناب مخدوم محی الدین، ڈاکٹر مسعود حسین خاں، ڈاکٹر راج بہادر گوڑ، مرزا شکور بیگ، اختر حسن، زینت ساجدہ، جیلانی بانو، صفیہ اریب، ناصر کرنولی، اور رحمت علی پر مشتمل ایک مشاورتی کمیٹی تشکیل دی گئی ہے۔ مجلس استقبالیہ کے صدر جناب بھارت چند کھنہ آئی۔اے۔ایس منتخب ہوئے۔ جناب مجتبیٰ حسین معتمد عمومی، جناب عابد علی خاں ایڈیٹر سیاست، جناب سید عمودی ایڈیٹر ملاپ، جناب منظور حسن ایڈیٹر ہمارا دکن نائب صدور اور جناب حمایت اللہ، حفیظ قیصر نائب معتمدین ہیں۔

مزاح نگاروں کی کانفرنس کے اجلاس دو روزہ ہوں گے۔ جس میں کرشن چندر، فکر تونسوی، مخلص بھوپالی، احمد جمال پاشا، طلعت صدیقی، رشید قریشی، زینت ساجدہ، مجتبیٰ حسین اور دوسرے مزاح نگار مضامین سنائیں گے۔

ڈاکٹر مسعود حسین خاں کی صدارت میں ایک سمپوزیم بھی منعقد ہوگا۔ دوسرے روز کل ہند مزاحیہ مشاعرہ منعقد ہوگا۔ جس کی صدارت دلاور فگار کریں گے۔ (مصطفیٰ کمال)

## حرمت الاکرام کی طویل نظم بہت جلد شایع ہونے والی ہے

سید حرمت الاکرام کی ایک طویل نظم "کلکتہ اک رباب" جلد ہی کتابی شکل میں اہل ادب کے ہاتھوں تک پہنچنے والی ہے۔ یہ نظم جو کلکتہ کا تعارفی جائزہ بھی ہے اور ناقدانہ بیان بھی، شہروں سے متعلق نظموں کی فہرست میں ایک اہم تر اضافہ ہوگی۔

(نامہ نگار)

## ہندی اور سنسکرت کی ترقی پر ۱۲ کروڑ خرچ ہوگا

نئی دہلی، ۱۸ اپریل۔ مرکزی وزارت تعلیم کی سالانہ رپورٹ میں بتایا گیا ہے کہ چوتھے منصوبے میں سنسکرت اور جدید ہندی کی ترقی کی مختلف تجاویز پر مرکز ۱۲ کروڑ روپیہ خرچ کرے گا۔

(قومی آواز)

## جدید ہندوستانی زبانوں کی ترقی

### مالی امداد کے لیے درخواستیں مطلوب ہیں

نئی دلی ۱۹ اپریل: مرکزی وزارت تعلیم نے مالی سال ۶۷-۱۹۶۶ء کے دوران جدید بھارتی زبانوں کی ترقی کے لیے مالی امداد کے خواہشمندوں سے درخواستیں طلب کی ہیں اس طرح کی درخواستیں بھیجنے کی آخری تاریخ ۳۰ جون ۱۹۶۶ء ہے۔

یہ درخواستیں وزارت ہذا کو ریاستی سرکاروں کے توسط سے بھیجی جائیں گی۔ درخواستوں کے مجوزہ فارم اور دیگر قواعد و ضوابط متعلقہ ریاستی سرکار کے تعلیمی یا ثقافتی محکمے سے مل سکتے ہیں۔

ریاستی سرکاروں کو یہ درخواستیں ۳۰ جون سے قبل دی جائیں تاکہ وہ انھیں بروقت وزارت تعلیم کو ارسال کر سکیں۔ (الجمعیتہ)

## ادارۂ ادبیات اردو حیدرآباد کی کتاب

### "سانولی اور دوسرے ڈرامے" شایع ہوگئی

حیدرآباد۔ ایک اطلاع کے مطابق جواں سال ادیب اور ڈرامہ نویس جناب مرزا اظہر افسر (آل انڈیا ریڈیو حیدرآباد) کے بارہ منتخب ریڈیائی اور اسٹیج ڈراموں کا دیدہ زیب مجموعہ "سانولی اور دوسرے ڈرامے" کے نام سے شایع ہوگیا ہے۔

اس کتاب کی قیمت ۶ روپے ہے۔

(و، ح، مشش۔ حیدرآباد)

## ماہنامہ "شب خون" کی رسم اجرا

الٰہ آباد ۱۰؍ اپریل ۱۹۶۶ء؛ اردو کے نئے علمی و ادبی ماہنامہ "شب خون" کے جلسہ افتتاح کی صدارت کرتے ہوئے جناب آر۔ کے نہرو نے کہا کہ زبان کا مسئلہ ہندوستان کے لیے اس وقت سب سے زیادہ سنگین ہے، جس سے ملک کی سالمیت اور یکجہتی کو خطرہ درپیش ہے۔ انھوں نے ایک ملکی زبان کی حیثیت سے اردو کو اہم درجہ دیتے ہوئے کہا کہ اردو کے مسئلہ کا جلد از جلد طے ہو جانا ملک اور قوم کے لیے ہر لحاظ سے بہتر ہوگا۔

شریمتی رجن نہرو نے اردو کی شیرینی اور لطافت کا اعتراف کرتے ہوئے کہا کہ ہندوستان کی تہذیبی زندگی کے لیے اردو کی علمی و ادبی خدمات بہت اہم ہیں۔ انھوں نے کہا کہ زبان کے مسئلہ میں تشدد آمیزی کا مظاہرہ بعض اوقات کیا جاتا ہے۔ ماہنامہ "شب خون" اس خرابی کی روک تھام کی تشکیل ثابت ہوگا۔

جناب فراق گورکھپوری نے مہمانوں کا خیر مقدم کیا اور ماہنامہ "شب خون" کے اجرا پر ادارہ کو مبارکباد دی۔ "شب خون" کے مدیر ڈاکٹر سید اعجاز حسین نے افتتاحی شمارہ جناب صدر کی خدمت میں پیش کیا۔

پروفیسر سید احتشام حسین نے ماہنامہ "شب خون" کے نام کے تمثیلی پہلو پر روشنی ڈالتے ہوئے کہا کہ ہندوستان میں اردو کے ایک اعلیٰ علمی و ادبی جریدہ کی کمی بہت دنوں سے محسوس کی جا رہی تھی انھوں نے اردو دوستوں سے اپیل کی کہ "شب خون" کی بقا و ترقی میں مدد کریں کیونکہ یہ رسالہ بھی اردو کی ترقی کے مسئلہ سے براہ راست وابستہ ہے۔ "شب خون" کے نائب مدیر جعفر رضا نے جلسہ کی ترتیب کے فرائض انجام دئے اور رسالہ کی بانی شریمتی جمیلہ فاروقی نے تمام حاضرین اور مہمان خصوصی کا شکریہ ادا کیا۔

جلسہ میں الٰہ آباد کے اہم اردو اور ہندی ادیبوں نے شرکت کی۔

(جعفر رضا)

شانتی رنجن بھٹاچاریہ

# بنگلہ زبان کی رامائن اور مہابھارت

(زیر تصنیف کتاب "مختصر تاریخ بنگلہ ادب" سے ایک باب)

رامائن اور مہابھارت وہ عظیم کلاسکی داستانیں ہیں جو ہندوستانی عوام میں سیکڑوں سالوں سے عزیز و مقبول ہیں اور ہندوستانی سماج میں ان عظیم تخلیقات کا رس اس طرح گھل مل گیا ہے کہ ہماری تہذیب سے ان داستانوں کو الگ نہیں کیا جا سکتا۔ ہر ہندوستانی زبان کے ادب پر رامائن اور مہابھارت کا گہرا اثر پڑا ہے اور ہر زبان میں کئی عالموں نے رامائن اور مہابھارت لکھے ہیں۔ ان میں سے بیشتر محض سنسکرت سے ترجمے نہیں ہیں بلکہ ہر شاعر نے اپنا اپنا رنگ ان داستانوں میں بھر دیا ہے اور اس طرح یہ تصانیف اپنے عہد کے سماجی حالات کی عکاسی بھی کرتی ہیں۔

بنگلہ زبان میں جتنے رامائن ہیں اُن میں سب سے مشہور و مقبول رامائن کرتی باسی کی ہے۔ کرتی باسی رامائن کے سلسلے میں کچھ کہنے سے قبل یہ بات کہنی ضروری ہے کہ اب تک کرتی باسی رامائن کا کوئی قدیم نسخہ دستیاب نہیں ہوا لہٰذا اب جو رامائن کرتی باسی رامائن کے نام سے مقبول ہے اُس میں کرتی باسی کی تخلیق کا کتنا حصہ ہے کہنا محال ہے۔ یہاں یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ خود سنسکرت زبان کی مہابھارت اور رامائن بھی کسی ایک شاعر کی تخلیق نہیں ہے حتیٰ کہ کسی ایک عہد کی تخلیق بھی یہ تصانیف نہیں ہیں۔ پھر بھی سہولت کی خاطر رامائن کو والمکی اور مہابھارت کو ویاس کی تخلیق کہا گیا ہے۔ بنگلہ زبان کے رامائن اور مہابھارت کا بھی یہی حال ہے چونکہ نہ تو اب تک بنگلہ کی قدیم رامائن یعنی کرتی باسی کی رامائن کا قلمی نسخہ ملا ہے اور نہ کاشی رام داس کی مہابھارت کا کوئی قدیم نسخہ۔ سنسکرت زبان کے رامائن اور مہابھارت کے سلسلے میں ایسی امید رکھنا کہ اس کے اولین نسخے مل جائیں گے ہوائی قلعہ باندھنے کے علاوہ اب اور کچھ نہیں ہو سکتا لیکن بنگلہ کی قدیم تصانیف کے سلسلے میں ابھی امید رکھی جا سکتی ہے۔ بہر حال کرتی باسی رامائن کے طور پر اب بنگلہ زبان میں جو رامائن رائج ہے اور کاشی رام داس کے نام پر جو مہابھارت مقبول ہے یہ دونوں اصلی حالت میں نہیں ہیں لہٰذا بنگلہ کے ان تصانیف میں کہیں جدید دور کے الفاظ ملتے ہیں اس میں حیرت کی کوئی بات نہیں ہے۔

کرتی باسی رامائن، والمکی رامائن کا ترجمہ نہیں ہے بلکہ کرتی باسی نے رامائن کے اہم کرداروں اور مقصد کو پیش نظر رکھ کر اس کے پس منظر میں بنگال کے سماجی حالات، رسم و رواج کے مطابق بنگالیوں کے لیے ایک رامائن کی تخلیق کی ہے جس میں ہم کرتی باسی کے دور کے بنگلہ سماج کی جیتی جاگتی بھرپور تصویر پاتے ہیں۔ حالانکہ ان کی رامائن کے کردار والمکی کے وہی قدیم کردار ہیں لیکن کرتی باسی رامائن کے مطالعہ سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اُن تمام کرداروں نے دوسرا جنم لیا ہے اور اس دوسرے جنم میں وہ سب بنگالی بن گئے ہیں۔ یہاں دشرتھ ایک بنگالی بوڑھا باپ ہے، رام ایک بنگالی نوجوان، سیتا شرم و حیا کی پتلی ایک بنگالی بہو، راون بنگال کا بدکردار شیطان سیرت انسان، اور ششی رشی ڈرپوک غریب بنگالی پنڈت و برہمن ہیں۔ والمکی رامائن میں ہم جو کھتریوں کی شجاعت اور برہمنوں کا غضب و غصہ پاتے ہیں وہ کرتی باسی رامائن میں نایاب ہے بلکہ اس کی جگہ ہم یہاں ایک طرف بنگالیوں کی عجلت پسندی، بزدلی، لفظی تکرار، رونا دھونا، کاہلی، بے شعوری، علم نجوم پر کامل یقین رکھنے والے، ہیر گو، نرم دل اور نسوانیت پاتے ہیں، تو وہیں دوسری طرف بنگالیوں کی شیریں بیانی، انکساری، خوش طبعی، ذوق ظرافت، طنز، فلسفیانہ خیالات، فہم و شعور، غور و فکر کرنے کی بھرپور صلاحیت، ششی کے پجاری، "تانترک پوجا پاٹ (وہ پوجائیں جن میں آگ جلا کر جگ کیا جاتا ہے اور آگ میں ہوم دیا جاتا ہے) اور بھکتی سادھنا جیسی خوبیاں بھی ہمارے سامنے ابھر آتی ہیں۔ کرتی باسی نے بنگالیوں کی بھرپور تصویر کھینچنے کی کوشش کی ہے اور یہی وجہ ہے کہ بنگالیوں میں ان کی یہ تصنیف مقبول خاص و عام ہو سکی اور ہر کسی نے اس کتاب کو اپنے دل میں جگہ دی ہے۔ یہ سچ ہے کہ والمکی کے کرداروں کو بنگالی شاعر نے مقابلتاً کمزور کر دیا ہے لیکن یہی کمزوری شاعر کی حقیقت پسندی کی دلیل ہے۔ چاہے اچھا ہو یا برا، ہر قوم کے چند مخصوص فطری رجحانات ہوتے ہیں اور ان مخصوص رجحانات کی بھرپور نمائندگی شاعر نے کی ہے۔ کرتی باسی کے دور میں محکوم بنگالی قوم میں غلامی کی تمام تر کمزوریاں نمایاں تھیں۔ ان میں کھتریوں کی بہادری کا جوہر موجود نہیں تھا لہٰذا شاعر نے والمکی کے دور کے کھتریوں کی شجاعت کو بنگالیوں پر نہیں لادا ہے۔ انھوں نے ہوائی قلعے نہیں بنائے اور یہی کرتی باسی کی عظمت ہے۔ چونکہ کرتی باسی کی رامائن بنگالی سماج کی ترجمان تھا شاید اسی وجہ سے انھوں نے اپنی رامائن کو "مہا کاویہ" (عظیم کلاسکی داستان یا ادبیات عالیہ) نہیں کہا ہے بلکہ "پانچالی" یعنی محض داستان قرار دیا ہے۔

دنیش چندر سین نے ۱۹۰۱ء میں اپنی تصنیف "بنگلہ زبان اور ادب" کے دوسرے ایڈیشن میں، کرتی باسی کی زندگی پر قلم اٹھایا ہے۔ اُن کے مطابق کرتی باسی کے والد کا نام بن مالی اور والدہ کا نام مانتی تھا۔ وہ ماہ ماگھ میں پیدا ہوئے۔ سنہ یا تاریخ کا درست علم نہیں۔ ۱۱ سال کی عمر میں گنگا پار کے اُتر دیش میں "تحصیل علم کے لیے گئے (ان کا وطن دریائے گنگا کے پوربی کنارے پھولیا نامی ایک گاؤں میں تھا) اور پنڈت ہو کر لوٹے۔ تب انھوں نے سات شلوک (شعر) لکھے اور گوڑ کے راج دربار میں گئے۔ راجہ نے انھیں عزت بخشی اور رامائن لکھنے کے لیے اُن سے فرمائش کی۔ جناب دنیش چندر سین کے بعد مختلف بنگلہ محققین ادب نے کرتی باسی کی سوانح حیات

پر تحقیق و تلاش کا کام کیا ہے، مثلاً جوگیش چندر رائے، دنیش چندر سین، گھنی کانت بھٹ شالی، بسنت رنجن رائے اور راجیشل شن صاحب وغیرہ، لیکن کرتی باسی کے سنہ پیدائش اور زمانہ کے سلسلے میں عالموں میں کافی اختلافات ہیں۔ چند نے ۱۳۸۰ء قرار دیا تو چند ۱۴۱۴ء، کسی کا خیال ہے کہ راجہ گوڑ سے مراد راجہ گنیش ہے (عہد حکومت ۱۴۱۴ء تا ۱۴۱۸ء) اور چند راجہ گنیش کے بیٹے جدو یا جلال الدین کے حق میں ہیں۔

راماین گانے والے سیکڑوں برسوں تک راماین کتھا گا گا کر گاؤں گاؤں پھرتے اور لوگوں کو سناتے رہے ہیں۔ رفتار زمانہ کے لحاظ سے کرتی باسی راماین میں قدیم الفاظ کے بدلے جدید سے جدید تر بھی الفاظ ان راماین کتھا گانے والوں کی بدولت شامل ہوتے رہے ہیں اور پہلی بار ۳-۱۸۰۲ء میں کرتی باسی راماین کو سنسکرت کالج کلکتہ کے پنڈت جے گوپال ترکالنکار کی مدد سے شریرامپور مشن پریس والوں نے چھاپ کر شائع کیا۔

کرتی باسی کی راماین کے علاوہ بنگلہ زبان میں کئی اور راماین موجود ہیں جن میں سے مادھب کندلی اور شنکر دیب کی راماین، نیز شستھی بر کی راماین، ادبھوت آچاریہ نیتانند کی "ادبھوت راماین" کبھوانی ناتھ اور دیجے لکشمن کی راماین، رامانند جتی اور بھٹھا ونار رامانند گھوش کی راماین، رگھو چندر کی تیجو شنڈی راماین، بھیکن شکل داس اور چندر اتی کی راماین قابل ذکر ہیں۔

راماین کے مختلف کرداروں کو لیکر بھی چند شعرا نے تصانیف کا کام کیا ہے جن میں انگد رائے بار، سب سے زیادہ مقبول ہیں فقیر رام، کھوسال شرما، رام نراین وغیرہ جیسے شاعروں نے اپنی اپنی بنگلہ راماین کتھاؤں میں بے شمار ہندی الفاظ کا استعمال کیا ہے۔ مثلاً

فقیر رام

انگد کو انگ دیکھی سب راکشش پائل مایا
ست ست راکشن ہو کے بیٹھے دھرکے ادبھوت کایا
انگد دیر جوانگ کاٹے، سب کوئی راکشن بھونڈو
سب کوئی بیٹھیں ہاتھ بیار و جلبت بن واس گونڈو

کھوسال شرما

| | |
|---|---|
| لنکا موتیھ دیکھئے انگد | پلٹ پھیر کے آئے |
| لکشمن ہوکے ناچے انگد | رام کا درشن پائے |
| دیبراکشن میں بیٹھے رگھوجی | سامنے گاندھی وان |
| لکشمن ون میں بھائی لکشمن | باسے جھجھو بان |

کھوسال شرما نے تقریباً پوری راماین ایسی ہی ہندی زبان میں لکھی ہے۔ اس لیے ان کی راماین کو بنگلہ میں "کھوٹا راماین" کہا جاتا ہے (بنگال میں لفظ کھوٹہ یا کھوٹا عموماً بہاری یا یو۔پی کے ہندوؤں کے لیے استعمال ہوتا ہے)۔

مہابھارت قدیم ہندوستان کی عظیم تخلیق ہے۔ اس کے اشعار کی تعداد تقریباً ایک لاکھ ہے اور اسے ہندوستانی تہذیب کی قاموس (انسائیکلوپیڈیا) کہا جائے تو بیجا نہ ہوگا۔ اس میں ہندوستان کی تاریخی سیاسی، سماجی، مالی اور مذہبی یعنی ہر پہلو کے ہر سوال کا جواب دیا گیا ہے۔ اس کے باوجود اسے دینی تصنیف قرار نہیں دیا گیا بلکہ صرف ایک "کاویہ" یعنی منظوم داستان کہا گیا ہے۔

ہندوستان کی ہر زبان (نیز دنیا کی مختلف زبانوں میں) میں اس کا ترجمہ ہو چکا ہے اور ایک نہیں بلکہ کئی کئی شعرا نے اپنے طور پر ترجمے کئے ہیں۔ بنگالی شعرا بھی مہابھارت کا ترجمہ کرنے میں پیچھے نہیں رہے ہیں۔ سولھویں صدی کے شاعر کوندر پرمیشور اور اٹی کر دھرام سرسوتی سے لیکر سترھویں صدی کے نیتانند گھوش، کاشی رام داس اور نندرام داس نیز انیسویں صدی کے پنڈت جے گوپال ترکالنکار وغیرہ نے مہابھارت کے ترجمے کیے ہیں اور ان تمام کی مشترکہ کوشش سے اس تخلیق نے اپنا بنگالی پن کو مکمل کیا ہے۔ تعجب کی بات یہ ہے کہ سنسکرت مہابھارت جو ایک زمانے تک (جدید عالموں کے مطابق سنسکرت مہابھارت چوتھی صدی عیسوی یعنی طویل آٹھ سو سال کے عرصے میں مختلف شعرا کی کوششوں کا نتیجہ ہے) مختلف شعرا کی کاوشوں کو ملا کر وجود میں آیا ہے، کے ساتھ صرف ویاس (وا شودیو) کا نام چسپاں ہے اور سنسکرت مہابھارت کو آج ویاس کی تخلیق کہہ کر ہی عام لوگ جانتے ہیں۔ اسی طرح حالانکہ بنگلہ مہابھارت کو آج کی جدید دلچسپ شکل دینے میں کئی بنگالی شعرا کا حصہ ہے لیکن بنگلہ مہابھارت کا شاعر کہلانے کا شرف صرف کاشی رام داس کو حاصل ہے۔

ہم سنسکرت مہابھارت کے سلسلے میں آگاہ ہیں کہ شاہی محفلوں میں اس کا پاٹھ (گا کر سنایا) کیا جاتا تھا اور جس وجہ سے ہم اسے مجلسی ادب کہتے ہیں بالکل اسی طرح بنگلہ مہابھارت کا بھی جنم ہوا ہے۔

ابتدائی دور میں اسے بھی شاہی محفلوں میں گا کر سنایا گیا۔ بنگال کے سلطان حسین شاہ کا سپہ سالار پرگل کی محفل میں سب سے قبل مہابھارت کا ایک مختصر بنگلہ ترجمہ پاٹھ کیا گیا۔ رفتار زمانہ کے ساتھ ساتھ شاہی محفلوں سے مہابھارت عوامی محفلوں تک پہونچ گئی اور درباریوں کے بجائے سننے والے عام لوگ ہو گئے۔ لیکن سنانے والے عوامی محفلوں میں بھی وہی موسیقی کے ساز و سامان کے ساتھ ہی ناچ گا کر پاٹھ کرنے لگے۔ پارگل (یا پرگل) خان کے دربار میں جس مہابھارت کو سنایا گیا اسے "پارگلی مہابھارت" کہتے ہیں جو کوندر پرمیشور کی تصنیف ہے۔ شاعر نے سپہ سالار پرگل خان کی فرمائش پر اسے لکھا تھا، اسی وجہ سے یہ "پارگل مہابھارت" کہلاتا ہے۔ پارگل خان، سلطان حسین شاہ کا ایک سپہ سالار اور چٹ گاؤں کا زمیندار تھا۔ میرے خیال سے وہ مسلمان نہیں تھے نام کے ساتھ لفظ "خان" ہونے کی وجہ سے بیشتر تاریخ نویسوں نے آپ کو مسلمان سمجھ لیا ہے لیکن صرف "خان" کو مد نظر رکھ کر کسی کو مسلمان قرار دینا درست نہیں ہے چونکہ

(باقی صفحہ [illegible] پر)

## سانحۂ عظیم

واحد پریمی

(شری لال بہادر شاستری کی مرگِ ناگہانی کی خبر پاکر)

آج پھر چار سو ہے مایوسی
آج پھر تیرگی سی چھائی ہوئی
آج پھر ہیں اداس گلگشت وچمن
آج پھر ہے ملول ارضِ وطن
آج پھر ہے ہجوم حزن وملال
آج پھر دل ہیں بارِ غم سے نڈھال
آج پھر نوحہ زن ہیں غنچہ و گل
آج پھر ہر طرف ہے شور و غل
کون اب ہم کو روشنی دے گا
کون اب حسنِ زندگی دے گا
کون اب امن کا بنے گا نقیب
کون اب دشمنوں کا ہوگا حبیب
کون اب بات لائے گا تیری
تو کہ سچا تھا پیرو گاندھی
تو نے نہرو کا غم بھلایا تھا
تو نے نامِ وطن بڑھایا تھا
تو اک انمول لال تھا یعنی
تیری ہستی تھی بے بدل ہستی
تجھ کو کھو کر جو غم کریں کم ہے
جتنا ماتم بھی ہم کریں کم ہے

## آہ محروم

امیر چند بہار

(شاعرِ فطرت، معتبرِ علم پروفیسر تلوک چند محروم کے انتقال پر ملال پر)

ہو گئے راہیِ عدم محروم
آپ اپنی نظیر تھے مرحوم
مہر و اخلاص ان کی ذات پہ ختم
ان کو مکر و فریب نامعلوم
دل میں حرص و ہوا کا نام نہ تھا
قدسی الاصل، قائلِ مقسوم
مردِ حق گو، مسلّم اخلاق
کیش میں ان کے مصلحت مذموم
سوت کا راز ان پہ آئینہ
نقشِ خاطر حیات کا مفہوم
ان کو بچوں سے خاص الفت تھی
زیبِ پہلو تھا اک دلِ معصوم
کچھ عجیب شے "بہارِ طفلی" ہے
جو ہے بچوں کے نام پر موسوم
ان کا رنگِ سخن جدا گانہ
ان کی نظموں کی ملک بھر میں دھوم
ان کی غزلوں میں دھڑکنیں دل کی
ان کی نظموں میں زندگی مختوم
حسنِ فطرت کو شعر میں ڈھالا
درسِ اخلاق بھی دیا منظوم
بادۂ حبِ قوم سے سرشار
خدمتِ خلق زیست کا مفہوم
داستانِ حصولِ آزادی
"کاروانِ وطن" میں کی مرقوم
اُن کے مداح خاص عبدالحق
ان کے قائل تھے اکبر مرحوم
معتقد ان کے امتن و مالک رام
ان کے دلدادہ خادم و مخدوم
مہر و چکبست و برق و کیفی کی
ہو گئی آخری کڑی معدوم
حال کیا پوچھتے ہو دلّی کا
ہے یہ شہرِ سخنوراں مغموم
چشمِ آزاد سے رواں ہیں اشک
قلب ماتم منوّر و مغموم
نوحہ خوانی میں ہے بہار بھی محو
قدر مرحوم اب ہوئی معلوم

ملک و علم و ادب کی خدمت سے
زندۂ جاوید ہو گئے محروم

## تضمین بر کلامِ اقبال

محمد شاء الرحمٰن خاں منشا

دل آویز و دلکش سماں اور بھی ہیں
مناظر تجلّی نشاں اور بھی ہیں
لبِ آسمان آسماں اور بھی ہیں
"ستاروں سے آگے جہاں اور بھی ہیں
ابھی عشق کے امتحاں اور بھی ہیں"

یہ افلاک کی بے نہایت خلائیں
ہیں جن پر پڑی فاصلوں کی ردائیں
چلو تا ذرا چل کے ان کو بتائیں
"تہی زندگی سے نہیں یہ فضائیں
یہاں سیکڑوں کارواں اور بھی ہیں"

ہے دل کی بقا منحصر آرزو پر
بہاروں کی جیسے بقا رنگ و بو پر
نگاہوں کو آمادہ رکھ جستجو پر
"قناعت نہ کر عالمِ رنگ و بو پر
چمن اور بھی آشیاں اور بھی ہیں"

حوادث کے آگے کیا تو نے سر خم
تو پھر ہوگا شیرازۂ زیست برہم
ہے ننگِ عزائم، مصائب کا ماتم
"اگر کھو گیا اک نشیمن تو کیا غم
مقاماتِ آہ و فغاں اور بھی ہیں"

نہیں ہے جو ذوقِ عمل خام تیرا
تو پھر کیوں برا ہوگا انجام تیرا
نہ گم ہو گی دنیا میں ہے نام تیرا
"تو شاہیں ہے پرواز ہے کام تیرا
تیرے سامنے آسماں اور بھی ہیں"

حقیقت جو کہنی ہو بے خوف کہہ جا
بصد حوصلہ ہر مصیبت کو سہہ جا
بہر سمت سیلِ رواں بن کے بہہ جا
"اسی روز و شب میں الجھ کر نہ رہ جا
کہ تیرے زماں اور مکاں اور بھی ہیں"

## ایک نظم

حسن شہیر

ایک ایک پیسے کو ترستا ہوں
جی ہاں میں آپ کے ساتھ ساتھ چلتا ہوں
بغیر مسکرائے ہوئے
جس میں صدیوں کی تاریخ چھپی ہوئی ہے

## صفحہ ۴ سے آگے

پٹھانوں کے دورِ حکومت میں بنگال میں "خان" کا لقب یا خطاب شاہی دربار کی طرف سے بیشتر سپہ سالار اور دیگر ہندو جاگیرداروں اور رئیسوں کو دیا گیا ہے لہٰذا اب بھی ہم بنگال میں "خان" لقب والے ہندو پاتے ہیں جو عموماً زمین جائداد والے افراد ہیں اور یہ لوگ اب بھی اپنے نام کے ساتھ "خان" ہی لکھتے ہیں۔ مثال کی ضرورت نہیں ہے چونکہ خان لقب والے سیکڑوں کی تعداد میں بنگالی ہندو موجود ہیں۔ پارگل خان بھی شاید "خان" لقب یا خطاب پائے ہوئے ہندو ہی تھے، چونکہ تاریخ بنگالہ کے مطالعہ سے اس کا بھی علم ہوتا ہے کہ سلطان حسین شاہ کے دربار میں اونچے عہدوں پر بیشتر ہندو فائز تھے۔ بہت سے مسلم بادشاہ ایسے ضرور گزرے ہیں جن لوگوں نے ہندو مذہبی و تہذیبی تصانیف کے تراجم کیے ہیں لیکن جس طرح پارگل خان نے "پارگل مہابھارت" کے ترجمے کا پورا خرچ ادا کیا اور گاؤں گاؤں میں اُس کے پرچار کی کوشش کی اور جس طرح کھلے دل سے وہ خود محفل میں آ کے سنتے رہے ہیں اِن تمام امور پر غور کرنے پر ایسا ہی معلوم ہوتا ہے کہ وہ ہندو ہی تھے اور سلطان حسین شاہ کی طرف سے "امیر خان" کا خطاب ملا تھا۔ پارگل نام بھی عجیب و غریب ہے۔ یہ لفظ نہ تو عربی ہے اور نہ ہی فارسی۔ ڈاکٹر سُشیل کا بھی نے بھی لکھا ہے کہ "عربی یا فارسی میں اس نام کا کوئی معنی نہیں نکلتا۔" دوسری بات یہ ہے کہ پارگل کے بیٹے کا نام گابھول خان (یا دوسرے کا نام چھُٹی خان) ہے اور یہ لفظ بھی نہ عربی ہے نہ فارسی اور نہ ہی ترکی بلکہ یہ آریائی لفظ "گربھ یا گربھ روپ" سے آیا ہے۔ لہٰذا یہی قرین قیاس ہے کہ پارگل خان ہندو سپہ سالار تھے۔

رامائن کتھا جس طرح بنگالی سماج میں آسانی سے رچ بس گئی، مہابھارت کو بنگالیوں نے اُس طرح قبول نہیں کیا۔ رامائن کے تقریباً ایک صدی بعد بنگالیوں نے مہابھارت سے دلچسپی لینی شروع کی لیکن پھر بھی مہابھارت کی کتھا بنگالیوں کے دلوں میں وہ مقام نہ پا سکی جو کہ رامائن نے حاصل کیا۔ اس کی سب سے بڑی اور اہم وجہ یہ ہے کہ بنگالی جنگ پسند قوم نہیں ہے۔ وہ امن پسند ہیں۔ ان کا کھتریوں کے جنگی کارناموں سے کوئی خاص لگاؤ نہیں ہے اور مہابھارت بنیادی طور پر کورو۔ پانڈو جنگ کی داستان ہے یعنی اسے ایک جنگ نامہ کہا جا سکتا ہے۔ بنگالیوں میں رامائن کی مقبولیت کی وجہ رام اور راون کے درمیان جنگ نہیں ہے۔ رام کے کردار میں والدین سے محبت، فرض شناسی اور قربانی۔ لکشمن اور بھرت کی اپنے بھائی رام سے پُر خلوص برادرانہ محبت، سیتا کی نسوانیت، شوہر پرستی اور پیار و محبت، ہنومان کی پربھو بھکتی وغیرہ وہ باتیں ہیں جس نے بنگالیوں کو رامائن کی طرف متوجہ کیا ہے۔ لیکن مہابھارت میں ایسی فضا پائی نہیں جاتی۔ مہابھارت کی فضا مکمل طور پر سیاسی ہے۔ جنگ و جدل کا ماحول ہے۔ اس میں گھریلو فضا کمیاب ہے۔ پورے مہابھارت کی داستان پر شجاعت، سیاست، اچھال بازی، گھمنڈ، فریب اور ہٹ دھرمی لیے ہوئے کردار چھائے ہوئے ہیں حتیٰ کہ سیاست کی وجہ سے وہ کردار دوستی، بھائی چارگی، پریم، اولاد کی محبت وغیرہ کی قربانی دیتے ہوئے نہیں ہچکچاتے ہیں۔ مہابھارت کے انسان آسانی سے جان پر کھیل جاتے ہیں۔ مہابھارت کے کردار ہی نہیں بلکہ پورا ماحول ہی جنگی ہے۔ کورو اور پانڈو میں سے کسی ایک کی بھی ازدواجی زندگی دلکش نہیں ہے۔ اُن کے گھروں میں امن کی دیوی کا عکس تک نہیں پڑا ہے۔ دروپدی برائے نام ہی پانڈوؤں کی گھر والی ہے لیکن کروکشیتر کے جنگی ماحول میں وہ نسوانی کردار بھی گم ہو کر رہ گئی ہے۔ دروپدی کا محبوب ارجن ہمیشہ دروپدی سے دور دور رہا ہے اور دونوں کی داستان عشق میں رنگینی برائے نام ہی ہے۔ رامائن کی طرح مہابھارت میں بھی بن داس (جنگل میں جا کر پناہ لینا) کا ذکر ہے لیکن رامائن کے بن داس میں جو رومانیت ہے اس نے بن داس میں بھی کافی دلکشی و رنگینی پیدا کی ہے۔ سیتا ہرن (راون کا سیتا کو اٹھا لے جانا) کے بعد رام سیتا کی تلاش میں جو مارا مارا پھرتا اور روتا دھوتا رہتا ہے اس سے ایک عاشق کا کردار ابھر کر سامنے آ جاتا ہے جیسے لیلیٰ کے لیے مجنوں کی تڑپ اور صحرا و بیابان کی خاک چھانتے پھرنا۔ مہابھارت کے بن واس میں ایسی باتیں پائی نہیں جاتیں بلکہ وہاں تو پانڈو اپنی جان بچانے کے لیے بن واس جاتے ہیں اور چھپے رہتے ہیں۔ گویا وہ بن واس ایک اندھیرا قلعہ ہے جہاں پانڈو اپنے آپ کو چھپائے رہے، پناہ لیتے رہے ہیں تاکہ طاقت اکٹھا کر لیں، تیار ہو لیں اور جب دشمن پر وار کرنے کا وقت آ جائے تو باہر نکل آئیں۔ پورے مہابھارت پر دراصل جنگ کے بھیانک بادل چھائے ہوئے ہیں۔ ہم مہابھارت کے چند چھوٹے چھوٹے نسبتاً غیر اہم کرداروں میں پیار و محبت یا گھریلو زندگی کی تصویر پاتے ہیں۔ مثلاً ساوتری، دیویانی، چترا اور سبھدرا وغیرہ لیکن یہ تمام کردار لمحہ بھر کے لیے ابھرتے اور فوراً ہی ڈوب جاتے ہیں جیسے اندھیری رات میں جگنو کی چمک۔ اس سے زیادہ اِن کرداروں کو مہابھارت میں اہمیت حاصل نہیں ہے چونکہ تمام کرداروں پر آنے والی کروکشیتر کے جنگ کا خوف، موت کا خوف طاری ہے۔ بھلا اس طرح کی کوئی داستان امن پسند بنگالیوں کے دلوں کی گہرائی کو کیونکر چھونے میں کامیاب ہو سکتی ہے۔ لہٰذا بنگالیوں کی زندگی میں رامائن نے جو مقام حاصل کیا وہ مہابھارت حاصل کرنے میں ناکام رہی ہے۔

کس جذبے نے بنگالیوں کو مہابھارت کا ترجمہ کرنے پر مائل کیا اور مہابھارت نے جو کچھ بھی مقام بنگالیوں میں پایا

(باقی صفحہ ۱۲ پر)

مشتاق احمد خاں عادل ادیب

# برجموہن دتاتریہ کیفی کے چار خط

کیفی صاحب کے یہ خطوط جناب عبدالصمد سرکار ملباگلی کے نام ہیں۔ سرکار صاحب ریاست میسور کے کہنہ مشق شاعر بے مثال ادیب اور اچھے نقاد ہیں برسوں آپ کو علامہ کیفی مرحوم سے تلمذ رہا ہے جس کا اندازہ سرکار کے نام علامہ کے خلوص آگیں خطوط سے ہوتا ہے۔

خط نمبر ۱

۱۷ علی پور روڈ سول لائنز دہلی

۲۱ر اپریل ۴۹ء

مہربان... کارڈ کا شکریہ افسوس ہے کہ کتابوں کے ساتھ ہی جو خط آپ کو بھیجا تھا وہ آپ کو نہیں ملا، اسی میں آپ کی غزل اور اشعار بھی بنا کر واپس کیے تھے اور یہ باتیں بھی لکھی اور پوچھی تھیں (۱) انگریزی اور فارسی کا مطالعہ آپ کا کہاں تک ہے، (۲) یہ آپ کا مقام بنگلور اور مدراس سے کتنی دور ہے (۳) کیا آپ نے مولانا حسرت موہانی کے رسالے متروکات سخن، معائب سخن وغیرہ دیکھے ہیں اور عہد ارد وقت عشرت لکھنوی کی شاعری کی پہلی کتاب، دوسری کتاب وغیرہ دیکھی ہیں۔ (۴) اور لکھا تھا کہ یہ اپنی دو کتابیں جو بھیج رہا ہوں، ان میں سے منشورات کو پڑھیے (مشکل الفاظ کا فرہنگ آخر میں ہے) اور احتیاط سے رکھ چھوڑیے کیونکہ شاید واپس منگوانی پڑے، اور لکھا تھا کہ کیفیہ کو غور سے سبقاً سبقاً پڑھیے جہاں سمجھ میں نہ آئے یا دقت معلوم ہو تو صفحہ و سطر کا حوالہ دے کر مجھ سے دریافت کر لیا کیجیے اگر آپ یہ کتاب اچھی طرح پڑھ لیں گے، اور پھر آپ کو فن اور زبان سے متعلق کسی اور کتاب کی ضرورت نہیں رہے گی اور جو کچھ لکھا ہوگا وہ اب یاد نہیں آتا، منی آرڈر دس روپے کا پہنچا تھا، انجمن کی نئی تنظیم ہو رہی ہے وہ مکمل ہو جائے تو وہاں داخل کرا کے دفتر کی رسید آپ کو بھجوا دی جائے گی۔

امید کہ آپ خیریت سے ہوں گے۔

راقم برجموہن دتاتریہ کیفی

خط نمبر ۲

۱۷ علی پور روڈ سول لائنز دہلی

۱ر اگست ۴۹ء

کارڈ کا شکریہ، میاں میں بہت بیمار ہو گیا تھا دل کا دورہ پڑا خیر ابھی کچھ دن اور اس دنیا میں رہنا ہے پندرہ دن کے بعد یہ پہلی تحریر ہے جو بھیج رہا ہوں بھئی مجھے یاد نہیں پہلے خط میں تم نے کیا لکھا تھا، اس پریشانی میں خدا جانے کہاں رکھ دیا، ملتا نہیں، اب موسم یہاں اچھا ہو گیا ہے۔ برسات شروع ہے۔ ہوا کبھی کبھی رک جاتی ہے مگر وہ گرمی کی تپش اور جاں سوزی نہیں رہی جب تمہارا جی چاہے چلے آؤ۔

کیفی

خط نمبر ۳

۱۷ علی پور روڈ سول لائنز دہلی

۵ر ستمبر ۴۹ء

واہ بھئی سرکار واہ، میں تو سمجھا تھا اب تمہارے اس طرف آنے کی خبر آئی اور اب آئی مگر تم نے خاموشی ہی اختیار کر لی خیریت لکھو تشویش ہے۔

کیفی

خط نمبر ۴

۱۷ علی پور روڈ سول لائنز، دہلی

۱۲ر ستمبر ۴۹ء

سرکار جیو! خط اور کارڈ ملے یہ جان گزا سانحہ جو آپ کو اور آپ کے خاندان کو پیش آیا ہے اسے سن کر بہت رنج ہوا، اس بے وقت موت سے جو صدمہ آپ لوگوں کو ہوا ہوگا اس کے برداشت کے لیے اللہ تعالیٰ صبر جمیل عطا فرمائے۔

غزلیں دیکھ کر واپس ہیں ردیف کی بابت جو کچھ لکھا ہے اس کا خیال رکھنا چاہیے، امید ہے کہ آپ کے دوست کی رخصت کا انتظام جلدی ہو جائے گا۔ مجھے انتظار رہے گا۔

جب آؤ مہتاب راتا اور کیفیہ ساتھ لیتے آنا۔

کیفی

# مراسلات

## فردوسی کا ایک شعر

فردوسی نے محمود غزنوی کی ہجو لکھی تھی۔ محمود شیرانی کے مطابق ہجو میں بہت سے الحاقی اشعار شامل ہو گئے ہیں، بہرحال اس ہجو کا ایک شعر یہ ہے:

کفِ شاہ محمود عالی تبار　نہ اندر نہ آمد سہ اندر چہار

ریاضی کا یہ سوال حل نہیں ہو رہا۔ یارانِ نکتہ داں میں سے کوئی صاحب اسے حل کرنے کی زحمت گوارا فرمائیں تو ممنون ہوں گا۔

---

ایک صاحب کے پاس دوسرا ایک خط آیا جس کا ایک جملہ یہ ہے۔ باپ نے بصیرت افروز نہ پایا تھا۔

دوسرے صاحب پاس بیٹھے تھے۔ انھوں نے فرمایا کہ یہ جملہ غلط ہے۔ یہ جملہ یوں ہونا چاہیے۔ باپ نے بصیرت افروز نہ پایا تھا۔

پڑھے لکھوں میں ان جملوں نے نازک صورت اختیار کر لی ہے۔ اربابِ دانش بتائیں کہ ان میں سے کون سا جملہ صحیح ہے اور کیوں؟

(ڈاکٹر حکم چند نیّر)

## طلبا یا طلبہ

(۱)

"ہماری زبان" کے تازہ شمارہ ۱۵ اپریل ۱۹۶۶ء میں طالب کی جمع طلبہ، طلاب اور طالبین بتائی گئی ہے۔ علقمہ شبلی کا خیال بالکل درست ہے۔

طَلَبۃ (طَلَبَۃ) بفتح اوّل و دوم طالب کی جمع (مذکر) طالب علم، شاگرد جمع میں مستعمل ہے۔

واضح رہے کہ اس جگہ "طلبا" بروزن اُمرا، حُکما، عُقلا وغیرہ لکھنا غلط ہے۔ کیونکہ "طُلَبا" طلیب کی جمع ہے طلیب کے معنی ہیں "بہت زیادہ مانگنے والا"۔

"رہائش" عربی، فارسی اور اردو کا لفظ نہیں۔ بلکہ عوام کی زبان میں مستعمل ہے اس کے معنی قیام، بود و باش، اور سکونت کے لیے جاتے ہیں۔ اسے اردو کہنا غلط ہے اس کا مرادف "قیام" ہے رہائش گاہ کے بجائے "قیام گاہ" بولنا چاہیے۔

(علوی کاکوروی)

(۲)

"ہماری زبان" مورخہ ۱۵ اپریل ۱۹۶۶ء میں ایک استفسار طلبا یا طلبہ وغیرہ کے بارے میں شائع ہوا ہے۔ جواباً عرض ہے کہ طالب کی جمع طلبہ ہے۔ طلبا (الف سے) نہیں ہے اس کے علاوہ طُلّاب، طُلّب اور طالبین بھی جمع کے طور پر آتے ہیں۔ لیکن اردو میں طلبہ زیادہ رائج ہے اگر اس قسم کے سوالات "ہماری زبان" میں آتے رہیں تو امید ہے کہ ان سے عام فائدہ ہوگا۔

رہائش میرے نزدیک صحیح نہیں ہے، اس کے استعمال سے احتیاط چاہیے۔ میرا مطلب یہ نہیں ہے کہ اردو کو تصرفات کا حق نہیں ہے بلکہ جہاں تک میرا خیال ہے یہ فضلا کے یہاں نظر سے نہیں گزرا اس لیے اس کو ترک کر دیا جائے اور اس کی جگہ سکونت، قیام، اقامت، ماند و بود، رہن سہن وغیرہ بولے اور لکھے جائیں۔

(ظہیر احمد صدیقی)
(ریڈر شعبۂ اردو، دلی یونیورسٹی)

## کچھ "ایک مراسلے" کے سلسلے میں

"ہماری زبان" مورخہ ۱۵ اپریل ۶۶ء زیرِ مطالعہ آیا۔ صفحہ ۷ پر علقمہ شبلی صاحب نے عدد ۳ کے تحت رہائش کو بحث بنا کر استفسار کیا ہے کہ رہائش کا اردو میں استعمال عام رہنے کی جگہ کے مفہوم میں ہو رہا ہے اس کا متبادل لفظ کون سا ہو سکتا ہے۔ جہاں تک میرا علم میری رہنمائی کرتا ہے فارسی زبان کے مصادر رہاندن یا رہانیدن سے حاصل مصدر رہائش بمعنی چھٹکارا یا رہائی ہے۔ کسی فارسی زدہ اردو داں نے اردو کے مصدر رہنا سے فارسی ترکیب پر رہائش حاصل مصدر بنا کر رائج کیا ہے اور یاروں نے اپنی کوتاہ بینی یا سہل پسندی کے صدقے میں یہ دیکھنے کی زحمت ہی نہ اٹھائی کہ فارسی زبان میں رہائش بمعنی چھٹکارا حاصل مصدر نکلتا ہے۔ ہندی بھاشا میں کہنا مصدر سے حاصل مصدر کہاوت ہے اور جہاں تک مجھے علم ہے یو پی کے دیہات میں رہنا سے حاصل مصدر رہاوت بھی بولا جاتا ہے اگر اردو درست رہاوت کو رواج دینے میں اپنی توہین سمجھے تو ہجا کو بھاتیوں کے اتباع کا طعنہ دیا جا سکے تو رہائش کے لیے سکونت یا رہنے کی جگہ کے لیے مسکن کا استعمال کر کے اپنی ادبی دھونس جما سکتے ہیں۔ میری اپنی ذاتی رائے یہی ہے کہ کہاوت کے وزن پر رہاوت کو رواج دینے میں کوئی قباحت نہیں ہے ورنہ بہنا سے حاصل مصدر بہاؤ موجود ہے اور سہنا سے حاصل مصدر سہن بھی مستعمل ہے بقول ائے رہن سہن۔

اپنی ذاتی حد تک میں یہ دعوے کر سکتا ہوں کہ میں نے ایک دراز عرصے سے رہائش کو رہنے کی جگہ کے لیے کبھی استعمال نہیں کیا بلکہ اسے اس مفہوم میں ناجائز سمجھتا ہوں۔ علقمہ شبلی صاحب کا فقرہ عدد ۳ بڑا وزنی ہے، سید عبداللہ صاحب رضا کی تجویز جاندار ہے اور علقمہ شبلی صاحب کا یہ مشورہ کہ ادارہ "ہماری زبان" اس سلسلے میں پہل کرے حق بجانب اور پہنچانے کا پیش خیمہ ہے۔

(آصف خلش کاشمیری)

## بہار ریاستی انجمن ترقی اردو کا ایک اہم جلسہ

پٹنہ ۱۱ر اپریل۔ کل ساڑھے تین بجے دن میں انجمن اسلامیہ ہال میں بہار ریاستی انجمن ترقی اردو کی مجلس منتظمہ، مجلس عاملہ، متعقدہ نمائندگان شاخہائے انجمن اور معزز اردو دوستوں کا ایک مشترکہ اجلاس بہار ریاستی انجمن ترقی اردو کی دعوت پر زیر صدارت جناب نثار احمد خاں صاحب ایڈوکیٹ منعقد ہوا جس میں ریاست کے گوشے گوشے سے آئے ہوئے ایک سو سے زیادہ نمائندوں نے شرکت کی جس میں وکیل، صحافی، اساتذہ، تجار اور دوسرے طبقہ سے تعلق رکھنے والے حضرات تھے۔

اجلاس میں حسب ذیل بنیادی تجویز پاس کی گئی۔

بہار ریاستی انجمن ترقی اردو کی مجلس منتظمہ مجلس عاملہ و متقدر نمائندوں کا مشترکہ مخصوص اجلاس طے کرتا ہے کہ بہار کی ریاستی انجمن اردو کو بہار کی علاقائی اور دوسری سرکاری زبان منوانے کے لیے فوری اور قطعی اقدامات کرے اس لیے کہ انجمن کو اپنا مطالبہ دہراتے ہوئے اور اس سلسلے میں کانفرنسیں، کنونشن تجاویز میمورینڈم اور وفود وغیرہ کی باتیں کرتے ہوئے سالہا سال گزر گئے۔

مگر حکومت نے ابھی تک اس کا کوئی نوٹس نہیں لیا ہے لہذا ارا پریل ۱۹۶۵ کے کنونشن کی دی ہوئی مہلت بھی گزر چکی ہے ضروری ہو جاتا ہے کہ بہار کے لاکھوں اردو دوستوں کے جذبات کی ترجمانی کرنے اور ان کا آئینی حق منوانے کے لیے انجمن میدان عمل میں نکل آئے اس اقدام و عمل کے لیے ضروری ہے کہ امن اور تدبر کے ساتھ ہو لہذا یہ اجلاس طے کرتا ہے کہ ریاستی انجمن ترقی اردو کا ایک نمائندہ وزیر اعلیٰ بہار سے مل کر ان سے اپنے مطالبات کے سلسلہ میں آخری بات کرے یہ بات آج سے دو ہفتہ کے اندر ہو جانی چاہیے۔

اگر وزیر اعلیٰ کے ساتھ گفتگو کامیاب نہ ہو تو ریاستی انجمن کا ایک وفد وزیر اعظم ہند سے ملاقات کر کے ان سے اپنے مطالبات کے سلسلہ میں آخری بات کرے یہ بات آج سے ڈیڑھ ماہ کے اندر ہو جانی چاہیے۔

وزیر اعظم کے ساتھ گفتگو کے جائزہ کے بعد بہار ریاستی انجمن ترقی اردو پوری ریاست میں ایک تاریخ مقرر کر کے یوم اردو منعقد کرے اور اس موقع پر اردو کو بہار کی علاقائی اور دوسری سرکاری زبان منوانے کے لیے انجمن کے آئندہ اقدامات کا اعلان کرے۔

یوم اردو کے موقع پر اعلان کیے جانے والے اقدامات کا تعین انجمن کی مجلس عاملہ اس جلسے کے بعد آج سے دو ہفتہ کے اندر کرے۔

بہار میں اردو کا جائز حق منوانے کے لیے ریاستی انجمن ترقی اردو جو کچھ بھی اقدامات کرے گی وہ پر امن آئین کے حدود میں اور جمہوری سطح پر ہوں گے

یہ اجلاس بہار کے اردو دوستوں سے اپیل کرتا ہے کہ وہ اردو کا حق منوانے کے لیے آنے والے چند ہفتوں میں اپنے آپ کو ہر طرح کی آزمائشوں اور قربانیوں کے لیے پوری طرح تیار کر لیں۔ گفتار کا وقت اب ختم ہو چکا۔ کردار کی گھڑی آگئی ہے۔

یہ اجلاس مرکزی اور ریاستی حکومت پر بھی یہ بات واضح کر دینا چاہتا ہے کہ اگر اب بھی اردو کے حقوق کے دستوری و عملی نفاذ میں تاخیر و تامل سے کام لیا گیا اور بہار کے ایک کروڑ اردو دوستوں کے جذبات کو نظر انداز کیا گیا تو پھر اردو داںوں کے لیے جمہوری و آئینی حدود میں رہتے ہوئے راست اقدامات کرنے کے سوا کوئی چارۂ کار نہیں ہوگا۔

لہذا یہ اجلاس حکومت بہار سے پر زور مطالبہ کرتا ہے کہ وہ تاخیر مزید کیے بغیر بالکل واضح اور غیر مبہم الفاظ میں اردو کو بہار کی علاقائی اور ثانوی سرکاری زبان کی حیثیت دینے کا اعلان کرے اور اس مقصد کے لیے او فیشیل لنگویج ایکٹ میں مناسب ترمیم کرنے کا بند و بست کرے۔

یہ اجلاس ریاستی انجمن کی مجلس عاملہ کی عملی کوتاہیوں پر اظہار افسوس کرتے ہوئے اسے ہدایت کرتا ہے کہ آئندہ وہ اردو کے مسئلہ پر عوام کی قیادت پوری جرأت اور سرگرمی کے ساتھ کرے۔ طے کیا گیا ہے کہ اگر اردو کو علاقائی زبان بنانے کی طرف پیش قدمی نہ ہوئی تو اگست میں صوبے کے حامیان اردو اسمبلی کے سامنے مظاہرہ کریں گے۔

(ریاست جدید)

## اردو میں اعلیٰ تعلیم کے لیے یونیورسٹی قائم کی جائے

سجاد نگر، ۱۰ر اپریل (ساج) آج جمعیۃ علماء کے اجلاس میں اردو یونیورسٹی کے متعلق ایک قرارداد میں حکومت سے پر زور مطالبہ کیا گیا کہ دوسری علاقائی زبانوں کی طرح اردو میں بھی اعلیٰ تعلیم کی ایک مستقل یونیورسٹی قائم کی جائے جو مشترکہ ہند و مسلم تہذیب کی نشانی ہے تاکہ دوسری زبانوں کی طرح اردو بھی پھل پھول سکے۔" (الجمعیۃ)

## "غالب شناسی" کے افتتاح پر ادیبوں کا جلسہ

بمبئی یونیورسٹی کلب ہاؤس میں اتوار کی شام کو اردو کے نمائندہ ادیبوں کا ایک جلسہ ہوا جس میں م ظ انصاری کی تازہ کتاب "غالب شناسی" کا افتتاح مہاراشٹر حکومت کے وزیر ڈاکٹر رفیق ذکریا نے کیا اور فراق گورکھپوری نے صدارت کرتے ہوئے مصنف کو داد دی کہ جس زمانے میں حالی نے غالب پر کتاب لکھی تھی اور اس زمانے کے علمی اور ادبی شعور کی نمائندگی کی تھی، آج کے ذہن اور شعور

کے لحاظ سے غالب شناسی یہ فرض انجام دیتی ہے جو غالبیات کے تمام ادب سے مختلف لب ولہجہ رکھتی ہے۔

ڈاکٹر یوسف نجم الدین صاحب اور جگن ناتھ آزاد نے بھی تقریریں کیں۔ باقر مہدی نے مصنف کے واضح اور شگفتہ اسٹائل کی بڑی داد دی۔

اس جلسے کی خصوصیت یہ تھی کہ ادبی اور اشاعتی اور تعلیمی مسئلوں پر بحث کے مسائل اٹھے۔ ڈاکٹر نجم الدین نے اردو ادیبوں سے شکایت کی کہ وہ اپنے ادب میں عربی لفظوں کی صورت بدل دیتے ہیں اور بعض ایسی اصطلاحیں ایجاد کرتے ہیں جو نہ اصل میں عربی ہیں نہ اردو یا ہندستانی۔

ظ انصاری نے بتایا کہ غالب ایک بڑا شاعر ہی نہیں بلکہ عقلیت کی برتری اور objectivity کا نمائندہ ہے جو ہمارے عہد کی خصوصیت ہے۔ غالب شناسی ان پانچ کتابوں کی پہلی کڑی ہے جنھیں یکے بعد دیگرے وہ پریس میں دینا چاہتے ہیں۔

جلسے میں اردو کے اہم ادیب، اخبارات کے نمائندے اور کئی شاعر موجود تھے۔

(نامہ نگار)

## مرکزی انجمن کے سالانہ جلسے

اتوار ۲۴ر اپریل کو علی گڑھ میں مرکزی انجمن کی ادبی مجلس، مالی مجلس، مجلس عاملہ اور مجلس عام کے جلسے ہوئے حسب ذیل حضرات نے مختلف جلسوں میں شرکت کی۔

ممبران کے نام:

پنڈت ہردے ناتھ کنزرو، صدر، پنڈت سندر لال، نائب صدر، جناب حبیب الرحمٰن، پنڈت آنند نرائن ملا، سید شہاب الدین دسنوی، جناب حمیدہ سلطان، جناب محمد فضل الرحمٰن، پروفیسر رشید احمد صدیقی، ڈاکٹر مسعود حسین خاں، ڈاکٹر راج بہادر گوڑ، ڈاکٹر گیان چند جین، ڈاکٹر عبد العلیم، جناب سکندر علی وجد، مفتی عتیق الرحمٰن، بیگم سلطانہ حیات، پروفیسر آل احمد سرور جنرل سکریٹری

(۱) صبح کو ادبی مجلس نے ۲۰۰۰-۱۹۹۹ء کی مطبوعات کا پروگرام منظور کیا اس کے علاوہ اردو کی مستند کتابوں کو دیوناگری رسم خط میں شایع کرنے کی ایک اسکیم منظور کی۔

اردو اور قومی اتحاد کے موضوع پر ایک خاص کتاب بھی لکھوائی جائے گی۔

(۲) مالی مجلس نے ۲۰۰۰-۱۹۹۹ء کا بجٹ منظور کیا اور مالی حالات کو بہتر بنانے کی تجاویز پر غور کیا۔

(۳) سہ پہر میں مجلس عاملہ اور مجلس عام کے مشترک اجلاس میں دستور میں چند ایسی ترمیمیں کی گئیں جن کی رو سے انجمن کا عوام سے رابطہ بڑھے گا۔ اسی نقطۂ نظر سے مقامی شاخوں، ضلعی شاخوں اور ریاستی شاخوں کے لیے نئے قواعد منظور کیے گئے۔ مقامی شاخوں کے ممبران کا چندہ، عوام کی سہولت کے لیے پچیس پیسے سالانہ رکھا گیا ہے۔ ہر ریاستی شاخ سے ایک نمائندہ مرکزی انجمن کی مجلس عام میں لیا جائے گا۔ مجلس عام کے سب ممبر آئندہ پانچ روپیہ سالانہ فیس دیں گے یہ بھی طے پایا کہ ہندی اور انگریزی میں اردو کے متعلق مضامین لکھوا کر شایع کیے جائیں نیز انگریزی اخباروں میں اردو کا کیس پیش کیا جائے تاکہ انگریزی داں طبقہ اردو کے حقوق سے واقف ہو سکے۔

دہلی میں انجمن کی عمارت کے لیے جو فنڈ جمع کیا جائے گا اس کے سلسلے میں چند مفید مشورے دئے گئے جن پر عمارت کمیٹی غور کرے گی۔ عمارت کا نقشہ کسی ماہر فن سے تیار کرایا جائے گا جس میں ہماری مشترک تہذیب کا کوئی خصوصی پہلو نمایاں ہوگا۔

شاخوں کے لیے نئے قواعد علیحدہ شایع کیے جائیں گے۔

(آل احمد سرور جنرل سکریٹری)

## شاخ اورنگ آباد کی نئی مجلس عاملہ کا انتخاب

اورنگ آباد ۲۰ر اپریل انجمن ترقی اردو ہند اورنگ آباد کے نئے انتخابات عمل میں آگئے ہیں۔ صدر انجمن ترقی اردو ہند اورنگ آباد کی حیثیت سے جناب سکندر علی وجد کا انتخاب عمل میں آیا ہے جو صوبائی انجمن کے بھی صدر ہیں۔ نائب صدر کی حیثیت سے ڈاکٹر سید عبد الله علی کا انتخاب کیا گیا ہے۔ سکریٹری کے عہدے کے لیے جناب اثر فاروقی کو منتخب کیا گیا ہے۔ ارکان عاملہ میں جوگیندر پال اور قاضی سلیم کے علاوہ جناب ولی محمد خان، جناب شیخ احمد، جناب عبد العلیم، جناب حاجی قریشی اور جناب عزیز احمد خاں شامل ہیں۔ انجمن کے زیر اہتمام اورنگ آباد میں اردو ہال تعمیر کیا جانے والا ہے جس کے لیے میونسپلٹی اورنگ آباد جگہ دے رہی ہے۔ نئی مجلس عاملہ کے جلسے میں متعدد مسائل پر غور کیا گیا۔ اسی جلسے میں جوگیندر پال کی اس تجویز سے اتفاق کر لیا گیا کہ ایک سہ ماہی ادبی رسالہ جاری کیا جائے اس کے لیے ایک سب کمیٹی قائم کی گئی ہے جس کے کنوینر سکریٹری انجمن اثر فاروقی ہوں گے۔ ارکان میں جوگیندر پال، قاضی سلیم، ولی محمد خاں اور حاجی قریشی شامل ہیں۔ انجمن کے نئے دفتر کا ہیڈ پوسٹ آفس کے قریب قیام عمل میں آگیا ہے۔ اردو مسائل کے حل کے سلسلے میں دفتر سے ربط پیدا کیا جا سکتا ہے۔

(اثر فاروقی سکریٹری)
(شاخ انجمن ترقی اردو اورنگ آباد)

# انجمن ترقی اردو دلی اسٹیٹ کے سالانہ جلسہ کی کارروائی

نئی دہلی۔ انجمن ترقی اردو، ریاستی شاخ دہلی کا سالانہ اجلاس آج پنڈت ہردے ناتھ کنزرو کی صدارت میں ہوا۔ جلسہ کا آغاز انجمن کی جنرل سکریٹری جناب حمید سلطان صاحب کی رپورٹ سے ہوا جس میں انجمن کی ایک سال کی سرگرمیوں پر روشنی ڈالی گئی تھی۔ اور ہندوستان بھر کے اردو دوستوں کا دلی میں ایک اجتماع بلانے کی تجویز کی طرف اشارہ کیا گیا تھا۔ صدر اجلاس پنڈت ہردے ناتھ کنزرو نے اپنی تقریر میں ہندوستان کے اندر اردو کے ساتھ بے انصافی پر اظہار رنج کیا اور کہا کہ اردو کے ساتھ بے انصافی پر میرا دل رنجیدہ ہے ہندوستان ایک جمہوری ملک ہے اور ایک جمہوری نظام کی شرط یہ ہے کہ وہاں پر ہر ایک کے حقوق کا تحفظ کیا جائے۔ آپ نے کہا کہ اردو ہندوستان کی مشترکہ تہذیب و کلچر کی علمبردار ہے آپ نے کہا کہ اس کو مسلمانوں کی زبان کہنا غلط ہے میں حکومت ہند سے اپیل کرتا ہوں کہ وہ اپنے ۱۹۵۸ء کے اعلان پر دیانتداری کے ساتھ عمل کرے اور اردو کے حق کو تسلیم کرے پھر دیکھے کہ جس قومی یک جہتی کے لیے ہمارے کیبنٹ منسٹر اپیلیں کرتے ہیں کس قدر جلد حاصل ہو سکتی ہے صدر اجلاس کی صدارتی تقریر کے بعد بہار برنی نے پہلا ریزولیشن پیش کیا۔ جناب مقیم الدین فاروقی نے ریزولیشن کی تائید میں تقریر کرتے ہوئے زبان کے مسئلہ پر سیر حاصل تبصرہ کیا۔

بخشی جگدیو سنگھ جنرل سکریٹری اکالی دل دلی نے اپنی تقریر میں اردو کے کاز کی مکمل حمایت کی اور کہا کہ اردو تمام سکھوں کی زبان ہے وہ اسے بولتے بھی ہیں اور لکھتے بھی ہیں اور پڑھتے بھی ہیں۔

مرکزی انجمن کی مجلس عام کے رکن جناب شہاب الدین نے اعلان کیا کہ مہاراشٹر کے محبان اردو اس مطالبہ میں دلی والوں کے ساتھ ہیں اور وہ ان کی حمایت کریں گے جناب منظر امام نے انجمن ترقی اردو کو زیادہ فعال بنانے پر زور دیا ان کی تقریر کے بعد صدر جلسہ پنڈت کنزرو نے جو کہ مرکزی انجمن کے صدر ہیں اعلان کیا کہ انجمن ترقی اردو نے اپنے دستور میں تبدیلیاں کی ہیں۔

ریاستیں اردو کے حقوق کو منوانے کے لیے جمہوری اور پر امن طریقوں پر جد و جہد کر سکتی ہیں جلسہ میں تین دوسرے ریزولیشن بھی الگ منظور ہوئے بعد میں روشن صدیقی، سکندر علی وجد، خمار دہلوی، شہاب جعفری، گلزار دہلوی، اور ہیرا لال فلک نے نظمیں پڑھیں۔ مقررین میں جناب شیو پرشاد، ڈاکٹر راجندر سنگھ اور ڈاکٹر ظہیر صدیقی۔ دلی یونیورسٹی کے نام قابل ذکر ہیں۔

منظور شدہ قراردادوں کا خلاصہ درج ذیل ہے۔

## دلی ایڈمنسٹریشن میں اردو

انجمن ترقی اردو کا یہ اجلاس اس بارے میں یہ اظہار تشویش کرتا ہے کہ دلی ایڈمنسٹریشن اور کارپوریشن میں اردو کا استعمال کم ہوتا جا رہا ہے اردو دلی کے عوام کی بول چال کی زبان ہے اور کاروبار اور دوسرے امور میں آج بھی اس کا خاص استعمال ہوتا ہے۔ دفتروں عدالتوں اور دوسرے محکموں میں اس کو نظر انداز کیا جانا دلی والوں کو ان کے حق سے محروم کرنا ہے یہ اجلاس مطالبہ کرتا ہے کہ تمام سرکاری محکموں، دفتروں کچہریوں اور کارپوریشن میں اردو کا پہلے جیسا استعمال کیا جائے اور ملازموں کے لیے بھرتی کے وقت یہ شرط بھی رکھی جائے کہ وہ اردو وال ہوں نیز موجودہ ملازمین میں جو اردو نہیں جانتے دلی ایڈمنسٹریشن ان کی اردو تعلیم کا انتظام کرے۔

## نصاب کی اردو کتابیں

انجمن ترقی اردو، دلی کے محکمہ تعلیم کی اس کوشش کو بہ نظر استحسان دیکھتا ہے کہ جو اس نے مڈل اسکول تک نصاب کی اردو کی کتابیں مہیا کرنے یا ان کا انتظام کرانے کے سلسلہ میں کی ہے لیکن دلی میں اردو کی حیثیت کو دیکھتے ہوئے اس اجلاس کی نگاہ میں ضروری ہے کہ ہائر سکنڈری ایجوکیشن کے مرحلے میں بھی طلبہ کو نصاب کی اردو کتابوں کا انتظام کیا جائے اور اردو میڈیم اسکولوں کے طلبہ کے لیے ہائر سکنڈری امتحانات میں ذریعہ امتحان بھی اردو ہی کو رکھا جائے تاکہ مڈل سے ہائر سکنڈری کے مرحلے پر پہنچنے والے طلبہ کو ذریعہ تعلیم بدلنے سے جو مشکلات پیش آتی ہیں وہ پیش نہ آئیں اور ان کا معیار تعلیم بھی متاثر نہ ہو سکے۔

## نئی دلی میں اردو کی تعلیم

انجمن ترقی اردو دلی کا یہ اجلاس دلی ایڈمنسٹریشن اور حکومت ہند کو نئی دہلی اور دلی کے مختلف دور دراز علاقوں میں رہنے والے ان محبان اردو کی ضرورت کی طرف توجہ دلاتا ہے کہ جن کی مادری زبان اردو ہے اور جو اپنے بچوں کو ان کی مادری زبان میں تعلیم دلانا چاہتے ہیں اور مطالبہ کرتا ہے کہ نئی دہلی اور دوسرے علاقوں میں ایسے بچوں کی اردو زبان میں تعلیم کا خاطر خواہ انتظام کیا جائے۔

## اردو کا حق تسلیم کیا جائے

ہندوستانی دستور کے ضمیمہ ۸ میں جن چودہ زبانوں کو قومی زبان کا درجہ دیا گیا ہے ان میں سے اردو بھی ایک زبان ہے دلی سیکڑوں برس سے اردو تہذیب و تمدن کا گہوارہ ہے اس حقیقت کا اعتراف حکومت ہند نے بھی اپنے ۱۴ر جولائی ۱۹۵۸ء کے ایک بیان میں واضح طور پر کیا ہے اور اعلان کیا ہے کہ جن ۱۴ زبانوں کو آئین نے قومی زبان تسلیم کیا ہے ان سب کو یکساں حقوق حاصل ہیں اور اردو پر بھی ان تمام باتوں کا اطلاق ہوتا ہے جن کا دوسری زبانوں پر ہوتا ہے انجمن ترقی اردو کا یہ اجلاس عام اس بات پر انتہائی حیرت اور افسوس کا اظہار کرتا ہے کہ حکومت ہند نے ابھی تک اپنے اس واضح بیان کے باوجود دلی میں اردو کے علاقائی حق کو تسلیم نہیں کیا ہے۔ (الجمعیۃ)

## شعبۂ اردو علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کی طرف سے

### مرکزی انجمن ترقی اردو (ہند) کے اراکین کا استقبال

#### اور پنڈت آنند نرائن ملّا کی صدارت میں بزم سخن

علی گڑھ ۲۲ اپریل، شعبۂ اردو علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کی طرف سے مرکزی انجمن ترقی اردو (ہند) کے اراکین کا استقبال صدر شعبۂ اردو پروفیسر آل احمد سرور نے آج ٹیگور لاؤنج میں کیا۔ مرکزی انجمن کے اراکین انجمن کے جلسوں میں شریک ہونے کے لیے علی گڑھ آئے ہوئے تھے۔ سرور صاحب نے مہمانوں کا خیر مقدم کرتے ہوئے کہا کہ شعبۂ اردو کی طرف سے آج اس خاص تقریب کا انعقاد اس لیے کیا گیا ہے کہ یونیورسٹی کے اردو دوست اور اراکین انجمن ایک دوسرے سے مل سکیں۔

حضرات اور سرور صاحب کی مختصر استقبالیہ تقریر کے بعد پنڈت آنند نرائن ملّا کی صدارت میں مندرجہ ذیل شعرا نے اپنا کلام سنایا۔ پنڈت آنند نرائن ملّا، پروفیسر آل احمد سرور، معین احسن جذبی، سکندر علی وجد، ڈاکٹر خورشید الاسلام، منیب الرحمٰن، مسعود علی ذوقی، خلیل الرحمٰن اعظمی، وحید اختر، وارث کرمانی، راہی معصوم رضا، شہریار اور امیر عارفی۔ (امیر عارفی)

### اردو محافظ دستہ اتر پردیش کی علامتی بھوک ہڑتال

نئی دہلی ۲۳ اپریل۔ کل یہاں اردو محافظ دستہ اتر پردیش کے زیر اہتمام سات آدمیوں نے چوبیس گھنٹہ کی علامتی بھوک ہڑتال کی۔ بھوک ہڑتال کرنے والوں کے نام یہ ہیں۔ خلیق احمد، قاضی یعقوب علی، امیر احمد، سبط الحسن، ابراہیم پرویز، محمد احمد خاں، ولایت یار۔ اردو محافظ دستہ نے نائب صدر جمہوریہ ہند کو ایک میمورنڈم بھی پیش کیا۔

(ایک نامہ نگار)

صفحہ ۵ سے آگے

ہے اس کی بنیاد کیا ہے، پر غور کرنے سے ہم دیکھتے ہیں کہ بنگالیوں نے مہابھارت کو اس کی ادبی، تاریخی یا تہذیبی اہمیت کی وجہ سے نہیں بلکہ محض مذہبی ضرورت کو مدنظر رکھکر ترجمہ کیا ہے۔ خاص کر جناب چیتن دیپ کی تحریک کرشن بھگتی نے مہابھارت کی طرف بنگالیوں کو متوجہ کیا ہے۔ وشنو تحریک کی وجہ سے شری کرشن جی کو مرکزی کردار مان کر بنگالیوں نے مہابھارت سے دلچسپی لینی شروع کی۔ حالانکہ کوروکشیتر کی جنگ ہی مہابھارت کا مرکزی واقعہ ہے اور تمام کردار اس جنگ کے گرد گھومتے ہیں، اس کے باوجود شری کرشن بھگتی کا حصہ بھی اس میں کم نہیں ہے۔ شری کرشن جنگ کوروکشیتر کے براہ راست ہیرو نہیں ہیں۔ انھوں نے جنگ نہیں لڑی ہے۔ صرف پانڈوؤں کے ساتھی اور جنگ میں ان کے رہنما، رہبر اور ہدایت کار رہے ہیں۔ وہی پانڈوؤں کی قوت، عقل و فہم اور تمام حرکات کے محرک رہے ہیں۔ وہ ہر آفت میں ان کے محافظ اور ہر مشکل میں مشکل کشا رہے ہیں۔ حالانکہ بنگالیوں نے مہابھارت کا ترجمہ کیا ہے لیکن عموماً مترجموں نے کشتریوں کے کردار اور جنگی ماحول پر زور قلم صرف کرنے کے بجائے کرشن لیلا اور بھگتی رس پر اپنا اپنا زور قلم صرف کیا ہے اور اس طرح بنگلہ ترجمے مہابھارت کی ایک نئی شکل، نیا روپ ہے۔ کئی بنگالی مترجموں نے اصل سنسکرت مہابھارت کے چند خالص سیاسی باب کو ترک بھی کر دیا ہے چونکہ انھیں محض شری کرشن اور کرشن لیلا سے ہی دلچسپی رہی ہے۔

کاشی رام داس کے علاوہ کئی دیگر بنگالی شعرا نے مہابھارت کا ترجمہ کیا ہے۔ جناب سُکمار سین نے لیے ۲۰ مترجمین شعرا کا نام لیا ہے۔ ان میں سے بیشتر نے مہابھارت کے کسی نہ کسی یا پھر چند باب کا منظوم ترجمہ کیا ہے۔ بنگلہ زبان کی قدیم مہابھارت "پارگلی مہابھارت" ہے جس کا اس سے قبل ذکر کر چکا ہوں۔ مشرقی بنگال میں ایک اور مہابھارت مقبول رہی ہے۔ جناب دنیش چندر سین اور جناب سکندر موہن بوس کے مطابق یہ مہابھارت "پارگلی مہابھارت" سے بھی قدیم ہے جسے "سنجے" کی مہابھارت کہتے ہیں۔ سندر موہن بوس نے سنجے کو صرف تخلص اور شاعر کا پورا نام ہری نراین دیب لکھا ہے۔ مغربی بنگال میں لکھی گئی مہابھارت میں رام چندر خان کی مہابھارت (سنہ تصنیف ۳۳-۱۵۳۲ء) سب سے پرانی تسلیم کی جاتی ہے اور دوسری پرانی کتاب جناب دیجے رگھوناتھ (۱۵۹۷ء) کی ہے۔

مہابھارت کے تمام مترجموں میں کاشی رام دیب جنھوں نے اپنے آپ کو "دیب" کے بجائے "داس" کہا ہے، ہی سب سے مشہور و مقبول مترجم ہیں اور ان کی مہابھارت ہی عام طور پر بنگالیوں کے گھروں میں پڑھی جاتی ہے۔ آپ کا قصبہ سنگی اور ضلع بردوان، اندرانی پرگنہ بمقام سنگی گرام پیدا ہوئے تھے۔ ان کے والد کا نام کملا کانت تھا۔ کاشی رام داس نے ۱۶۰۲-۱۶۰۷ء کے درمیان اپنی مہابھارت لکھی ہے۔ فورٹ ولیم کالج نے طلبہ کے لیے ۱۸۰۲ء میں شری رام پور مشن پریس میں کاشی رام داس کی مہابھارت کو پہلی بار چھاپ کر شائع کیا۔ لیکن یہ صرف ان کی مہابھارت کا "آدی کانڈ" (حصہ اول) تھا۔ ۱۸۳۶ء میں پنڈت جے گوپال ترکالنکار کی مدد سے شری رام پور مشن پریس نے مکمل کاشی رام داس کی مہابھارت کو چھاپ کر شائع کیا ہے۔

مالک انجمن ترقی اردو ہند علی گڑھ پرنٹر ضمیر الدین قریشی نے مسلم ایجوکیشنل پریس علی گڑھ میں چھاپا اور پبلشر نذیر حسن نے دفتر مرکزی انجمن ترقی اردو ہند علی گڑھ سے شائع کیا